OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 6 Issue 3 (July-September 2023)

اقبال کی نظم پر مذاہبِ عالم کے اثرات
Effects of World Religions on Iqbal's Poetry

Dr.Saima Iqbal
Assistant Professor, Department Urdu, Govt College University Faisalabad
Shumaila Mushtaq Ahmad
Doctoral Candidate, Departmentof Urdu Govt College University Faisalabad
Dr.Parveen Aktar Kallu
Assistant Professor, Department Urdu, Govt CollegeUniversity, Faisalabad

Abstract
Allama Iqbal is always praised for his superior quality poetry of religious zeal. His poetry is based on a certain level religious insight which must be understood and realized by average Muslims to better evolve into a United Nation. His poetic work is revolutionary in spirit and can be read as a complaints about the lethargy of Muslims and the decadence of their civilization. His poetry is amalgamation of religious beliefs, traits and ideologies and ethical values of almost all prominent religion of this universe. His poetry is based on the concept of humanity and forbearance essential for the welfare of mankind. He was blessed with matchless innovative poetic approach and wrote several poems depicting properties of various religions. Not only Islam, Buddhism, Sikhism, Hinduism, Christianity and

Jewish had importance near him. In his poem "Nanak" he talked about Guru Nanak and monotheism. Iqbal also employed the Sanskrit phrase "Mantra, shakti in his poems. As for as Buddhism is concerned, he pointed out that "salvation lies in exchanging desire". Consequently, his poetic work portrays basic concepts of Christianity and Jewism religion

Keywords: Allama Iqbal, poetry, religions, humanity, Christianity, Jewish, Buddhism, Decadence, lethargy, monotheism, Bear, Nanak, Mantra, Shakti

تمہید

علامہ اقبال کی نظموں میں مذہبی حوالے سے موضوعاتی تنوع بہت زیادہ ہے۔ علامہ اقبال کی نظموں میں مذہبی اور صوفیانہ و باطنی موضوعات کی ایک سلجھی ہوئی روایت ملتی ہے۔ تمام مذاہبِ عالم پر اُردو نظم کو جس بلندی پر اقبال نے پہنچایا وہ انہی کا خاصا ہے جہاں اقبال کی نظم ''ساقی نامہ'' میں ہندوؤں کے مذہبی بُت ''سومنات'' کا ذِکر ہے وہاں اقبال اسلامی شعائر تہذیب و تمدن تاریخ اور تصوف کے ہر پہلو پر نظر رکھتے تھے۔ مذہب اسلام کے تہواروں پر ''عید الفطر''، ''ہلالِ عید'' اور ''عید'' کے عنوان سے اقبال کی نظمیں ہیں تو یہودیت مذہب پر ان کے ہاں ''کوہِ طور'' اور ''یدِ بیضا'' پر اقبال نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ عیسائیت مذہب پر حضرت عیسیٰؑ کا نام بطور تلمیح استعمال کیا۔ سکھ مت اور بدھ مت پر اقبال نے ''ذکرِ نانک'' میں انتہائی عقیدت سے ان مذاہب کے پیشواؤں کا ذکر کیا۔

اسلام اور اقبال

شعرائے اردو میں جنھوں نے اردو نظم پر مذہبی حوالے سے بہت زیادہ دور رس اثرات مرتب کیے ان میں سے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کا نام اول و آخر سب سے سر فہرست ہے۔ وہ ایک عظیم اور جاوداں شاعر ہیں جنھوں نے اردو نظم پر مذہبِ اسلام کے جتنے قوی اثرات مرتب کیے، اتنے شاید کسی اور شاعر نے پوری اردو شاعری میں مرتب نہیں کیے۔ علامہ اقبال ایک علمی و ادبی عبقریت کا نام ہے۔ علامہ اقبال بیک وقت ایک فلسفی، شاعر، حکیم الامت اور اپنے عہد کے سیاسی و عمرانی نقیب تھے۔

علامہ اقبال کی شاعری کو سمجھنے کے لیے قرآن و سنت کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اقبالؒ کی شاعری مذہب اسلام اور قرآن و سنت کا منظوم جمالیاتی ترجمہ ہے۔ ان کی شاعری علم و ادب کا گنجینۂ معنی ہے۔ حکمت و دانش اور مذہبی و تاریخی، فلسفیانہ و مجتہدانہ علوم کا بحرِ ذخار بھی ہے۔ علامہ اقبال ایک ایسے عبقری دانشور تھے جو اپنے عہد کے فکری آشوب اور فکری کروٹوں کو اپنے مشاہدات کی تیز کسوٹی پر پرکھتے تھے۔ وہ کسی سے مرعوب ہو جانے کے برعکس اس کے محرکات و عواقب کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور پھر اپنے سمندِ اجتہاد کو حرکت میں لاتے اور اس پر اپنی تنقیدی رائے پیش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ معاصر علمی

نظریات اقبال کی نگاہ سے بچ نہیں پائے اور اقبال نے جہاں ان سے اخذ و قبول کیا وہاں ان کے کمزور پہلوؤں پر گرفت بھی کی اور گرفت وہی کر سکتا ہے جو دیے گئے معاصر نظریات سے علمیت کے اعتبار سے زیادہ مقام و مرتبہ کا حامل ہو۔ علامہ اقبال کی سبھی نظمیں مذہبی موضوعات سے مملو ہیں۔ علامہ اقبال امتِ مسلمہ کا درد رکھنے والے انسان تھے۔

علامہ کتاب و سنت پر کتنا پختہ اور پکا یقین رکھتے ہیں اور ہر سچائی اور صداقت کے لیے اس کے سوا کسی اور چیز کی نہ کسوٹی سمجھتے ہیں اور نہ معیار۔ یہی مومن کی پہچان ہے۔ علامہ اقبال کی نظموں میں مذہبی حوالے سے موضوعاتی تنوع بہت زیادہ ہے۔ علامہ اقبال کی نظموں میں مذہبی اور صوفیانہ و باطنی موضوعات کی ایک سلجھی ہوئی روایت ملتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں یہ اشعار دیکھیے:

ظاہر کی آنکھ سے تماشا نہ کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی
منصور کو ہوا لبِ گویا پیامِ موت
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی
اور بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم
طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی
نظارے کو یہ جنبشِ مژگاں بھی بار ہے
نرگس کی آنکھ سے دیکھا کرے کوئی [1]

یہ ایک بین حقیقت ہے کہ اقبال نے ہندوستان کے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ ماحول تصوف اور اس کے دور رس اثرات میں رنگا ہوا تھا۔ اقبال کے والد بزرگوار شیخ نور محمد کی تصوف سے نہ صرف خاص لگاؤ تھا بلکہ تصوف کا رنگ ان پر بہت زیادہ غالب تھا۔ ان کے روحانی تجربوں کے بارے میں کئی باتیں مشہور ہیں۔ علامہ اقبال کے والد نے گھر پر تصوف سے متعلقہ معروف کتب کو جمع کیا تھا۔ انھوں نے اقبال کو بچپن میں ہی اس قسم کی مجالس میں شریک رہتے ہیں۔ ہندوستان کے معروف صوفیا کے بارے میں ان کی عقیدت کا جو حال ہے۔ اس کا اندازہ اقبال کی شاعری سے ہوتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار پر اقبال نے کئی بار حاضری دی ہے۔ جب علامہ اقبال ولایت جا رہے تھے تو انھوں نے دہلی میں درگاہِ نظام پر حاضر ہو کر "التجائے مسافر" کے عنوان سے ایک نظم پڑھی تھی، اس نظم کے ہر ایک شعر سے عقیدت و احترام کے جذبات ٹپکتے ہیں۔ ان کی اس قبیل کی نظموں سے ان کے ذاتی رجحانات میں سے تصوف کے بارے میں ان کے رجحان کا علم ہوتا ہے۔ صوفیا کے ساتھ ان کی عقیدت بھی ان کے ان متبصراتِ شعری سے ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا علامہ اقبال کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ تصوف اور اس کے عقائد اور صوفیا کے مقام و مرتبے کے خلاف تھے، یہ ایک انتہائی لغو اور بے بنیاد بات ہے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ اقبال کو تصوف کے بعض مسائل

سے اختلاف تھا جس کا اظہار انھوں نے نظموں میں کیا ہے۔ انھوں نے غیر اسلامی تصوف پر جو بے عملی، ترک دنیا، رہبانیت او رکش مکش حیات سے گریز کی ترغیب دیتا ہے۔ شدت سے تنقید کی ہے۔ اس کی مثال "ساقی نامہ"، جیسی نظم ہے، ملاحظہ کیجئے:

یہ عالم بت خانہ سش جہات
اسی نے تراشا ہے یہ سومنات
پسند اس کو تکرار کی خو نہیں
کہ تو میں نہیں اور میں تو نہیں
من و تو سے انجمن آخریں
مگر عین محفل میں ہیں خلوت نشیں
چمک اس کی بجلی میں تارے میں ہے
یہ چاند میں سونے میں پارے میں ہے[2]

اقبال اس شعر میں ہندو مذہب کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ہندوؤں کے مذہبی بت سومنات کا ذکر کر رہے ہیں علامہ اقبال نے نظم "ساقی نامہ"، میں اس درد کی یاد دلائی ہے:

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
جوانوں کو سوز جگر بخش دے
میرا عشق میری نظر بخش دے
میری ناؤ گرداب سے پار ہے
یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر
بتا مجھ کو اسرار مرگ و حیات
کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات[3]

اقبال کے فلسفے کی بنیاد چونکہ فکر اسلامی پر استوار ہے، لہٰذا وہ اس اس تصور علم کے نقیب رہے ہیں اور ان کا نظریہ علم فکریات اسلامی ہی سے ماخوذ ہے۔ اسی تصور علم کے وہ نہ صرف حامی بلکہ داعی اور علمبردار ہیں۔ علامہ اقبال اسلام کو ایک ایسی تعلیمی تحریک سمجھتے تھے جس کے ہر رکن سے درس و تدریس اور تعلیم و تربیت عیاں ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: "لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو"[4]

علامہ اقبال کی مذہبی فکریات کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی فکر کا دائرہ کار اور محور و مرکز "فلسفۂ خودی" ہے۔ ان کے نزدیک انسانیت کی تکمیل "فلسفۂ خودی" کے پیدا ہونے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے ان کے تمام تصورات کی طرح تعلیم کا مقصد بھی خودی کی نشو و نما ہے۔ فلسفۂ خودی کی روح دراصل ابنائے آدم کے احترام اور ان کی عظمت یعنی عظمتِ انسانیت ہے جو کسی

بھی معاشرے کی تشکیل کے لیے لازمی ہے، جس کی بنیاد نسل و رنگ یا علاقائی تفریق کے بجائے اخوت انسانی اور عالم گیر انسانی برادری پر رکھی گئی ہو۔ یوں سبھی افتراقات کو اور ہمہ قسم کی نسلی تفریق کو بالائے طاق رکھ کر ہر شخص خودی کے یکساں مواقع حاصل ہوں۔ تکمیلِ خودی سے مراد فرد کی معتدل اور متوازن سیرت و کردار کی تخلیق ہے جس کے سہارے وہ زندگی کے تمام نشیب و فراز سے کامیاب گزر سکے۔ اقبال کی تحریروں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کے سلسلے میں ان کا مقصود نظر ان کے تصور خودی سے الگ نہیں۔ جیسا کہ "ضربِ کلیم" میں "تعلیم و تربیت" کے عنوان سے تعلیم کا مقصود بیان کیا ہے۔ اقبال کی نظر میں معاصر نظامِ تعلیم نہ صرف یہ کہ خودی کی تعلیم سے خالی ہے بلکہ مذہب و اخلاق جس پر خودی کی تعلیم و تربیت منحصر ہے۔ اس کی بیخ کنی کی گئی ہے۔

علامہ اقبال اردو شاعری کا بہت بڑا نام ہیں ان کا مذہب اسلام سے لگاؤ ان کی نظموں میں منفرد اور الگ الگ نظر آتا ہے علامہ اقبال کے کلام پر رومی کی شاعری کے آثار نمایاں ہیں اقبال کی شاعری کا انداز حکیمانہ اور جذب و مستی میں والہانہ پن ہے ان کی ایک نظم بہ عنوان "در حضور رسالت مآب ﷺ" (مثنوی باید کرد اے اقوام) میں خلوص و عاجزی اور درد مندی کی انتہائی پر تاثیر ہے ارمغان حجاز میں "حضور رسالت" کے نام سے ان کی رعبایات و قطعات میں روضہ رسول ﷺ کی زیارت کی شدید تڑپ موجود ہے:

به ایں پیری رہ یثرب گرفتم
نوجوان از سرور عشقانہ
چوں آں مرغی کہ در صحرا سر شام
کشائد پر بہ فکر آشیانہ[5]

علامہ اقبال نے مغربی تعلیمی نظریات پر کڑی گرفت کی اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ یورپ میں تین سال تک مسلسل رہے اور مختلف تعلیمی اداروں سے وابستہ رہے۔ انھوں نے یورپی فلسفے کو قریب سے دیکھا تھا اور اس کے اسرار و رموز کو سمجھ گئے تھے۔ ایک استاد کی حیثیت سے وہاں کے کالجوں، نظام تعلیم، طریقہ تدریس، نصاب اور اس سے پیدا ہونے والی تہذیبی زندگی کو قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع میسر آیا تھا۔ ان کی نظری بلوغت مشاہدہ کر رہی تھی کہ مغرب کا نظام تعلیم مادی ترقی کی دھن میں غیر اخلاقی بنیادوں پر استوار ہو رہا ہے۔ اقبال کا خیال تھا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دار العلوم دیوبند وغیرہ جو الگ الگ کام کر رہے ہیں، موجودہ زمانے میں نوجوانوں کی اسلامی سیرت پورے طور پر تعمیر کرنے سے قاصر ہیں، کہیں مشرقیت کا غلبہ اور کہیں مغربیت کا۔ اقبال لکھتے ہیں:

> "وطنیت اور قومیت کا تصور اس وطن دوستی کے تصور سے جداگانہ چیز ہے۔ مغرب نے وطنیت کو اجتماعی زندگی کا ایک نظریہ قرار دیا ہے اور ان کے احوال میں یہ بات کچھ ضروری ہو گئی تھی۔۔۔ مذہب کی علیحدگی سے جو خلا

پیدا ہو گیا تھا اسے انہوں نے اس طرح پُر کرنا چاہا۔ لیکن انجام کار کیا ہوا۔ ان میں
اسلامی، لسانی اور وطنی اختلاف کا ایک غیر محدود سلسلہ قائم ہو گیا۔"[6]

علامہ اقبال اجتہاد کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ تھے اور اس کے تقاضوں کو بھی سمجھتے تھے۔ انھیں پورا اعتماد اور یقین تھا کہ اس دور میں اجتہاد ہی اُمتِ مسلمہ میں وہ حرکت و حرارت پیدا کر سکتا ہے جو اسے دنیا کی قوموں میں ممتاز کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے یہ اشعار اسلام میں اجتہاد کے تصور کے علمبر دار ہیں:

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی ڈھونڈ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے [7]

معاشرے میں تہذیبی، ثقافتی جڑی اہمیت ہوتی ہے تہذیب کا تعلق خارجی رسم ورواج سے ہوتا ہے جبکہ ثقافت انسان کا باطن سے رشتہ ہموار کرتی ہے۔ مذہب اور تہذیب کا مادہ اگرچہ ایک ہے اگر اول الذکر عقیدے سے اور موخر الذکر انسانی کردار اور معاشرتی اقدار سے متعلق رول ادا کرتی ہے۔ حالانکہ تہذیب میں موزوں نیت پیدا کرنے کا کام عقیدہ کرتا ہے جب ہم کسی آدمی کو مذہبی کہتے ہیں تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس آدمی کی اخلاق واطوار، عقائد ورحجانات لباس اور خورد ونوش کہاں تک اس کی طرز گفتگو میں ایک طرح کی موزونیت اور توازن ہو گا۔ محمد مظفر عالم جاوید صدیقی لکھتے ہیں:

"علامہ اقبال کی شاعری میں قومی اور وطنی جذبات کے تحت در آنے والے
تہذیبی عناصر دھیرے دھیرے کم ہوتے گئے اور اسلامی وملی تہذیب و ثقافت
کے عناصر غالب آگئے اقبال نے مذہبی تہواروں کو بھی شاعری میں جگہ دی اقبال
کی فکر جامد نہیں مگر مدروسفر پر جاری ہے۔"[8]

ان کی فکر رسمی حسن وعشق سے چلا کر وطنیت، قومیت، شعور ملی، فلسفہ عشق وعقل، فلسفہ حرکت وعمل اور فلسفہ خودی مذہب تک پہنچتی ہے کلیات اقبال سے لئے گئے اس بند کو ملاحظہ کیجیئے جو کہ "ہلال عید" غزہ شوال کے عنوان سے قلمبند کیا گیا ہے:

غزہ شوال! اے نور نگاہ روز دار
سر گزشت میت بیضا کا تو آئینہ ہے
آ! کہ تھے تیرے لئے مسلم سراپا انتظار
اے مہ نو! ہم کو تجھ سے الفت دیرینہ ہے
تیری پیشانی پہ تحریر پیام عید ہے
جس علم کے سائے میں تیغ و آزما ہوتے تھے ہم
شام تیری کیا ہے صبح عیش کی تمہید ہے
دشمنوں کے خون سے رنگین قبا ہوتے تھے ہم [9]

علامہ اقبال کو علومِ مذہب پر بہت زیادہ دسترس حاصل تھی۔ وہ مذہب، معاشرت، اسلامی شعائر، اسلامی تہذیب و تمدن، تاریخ اور تصوف کے ہر پہلو پر نظر رکھتے تھے۔ قدرت نے انھیں ایک عظیم دماغ دیا تھا۔ وہ تصوف کی لغزشوں پر پکڑ کرنے سے نہیں کتراتے تھے، اس کی وجہ وہ مضبوط علمی بنیاد تھی جو انھوں نے قائم کی تھی "اسرار خودی" کی طباعت کے بعد جب فلسفہ خودی کی بحث چھڑ گئی اور اس کی مخالفت کی بہت سی آوازیں اٹھنا شروع ہو گئیں تو علامہ نے اپنی نظموں اور دیگر نثری تحریروں میں شاعری اور فلسفہ کو سمجھنے کے لیے اپنے عدیم المثال اور نادر الوجود خیالات پیش کیے جو ان کے نظامِ فکر کو سمجھنے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس بارے اقبال کا کہنا ہے: "میری شاعری اسلامی تفکر اور قرآنی فقہ کی تعبیر و تفسیر ہے۔"[10]

اقبال صالح تہذیب و معاشرے مذہبی افکار اور معیاری اخلاق کے عناصر کو ضروری سمجھتے تھے۔ اقبال نے اسلام کی روح کو سامنے رکھا انگ اور نسل کی تفریق قدم اور وطن کی تفریق کو بنی نوع انسان کے لئے مہلک مصور کیا جدید مغربی تہذیب و ثقافت میں روحانیت کو اقبال نے سمجھ لیا ان کی نظر میں صحت مند سیاست کے لئے بھی مذہب اور اخلاق لازمی عوامل ہیں "عید الفطر" نظم کا اک اور بند دیکھئے

اوجِ گردوں سے ذرا دنیا کو بستی دیکھ لے!
اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے!
قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری دیکھ
رہرو درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ
وسعت عالم میں رہ پیما ہو مثل آفتاب
دامنِ گردوں سے نہ پیدا ہوں وہ داغ سحاب[11]

شاعر مشرق علامہ اقبال نے ماضی کی قدروں اور تہذیب و ثقافتی نشانیوں کو اپنی فکر بنایا تھا عہد رضا اور ماضی کی عظمت اور جلال و جمال کو اقبال اپین سرشت کا حصہ تصور کرتے ہیں۔ ایک اور جگہ کلیات اقبال میں مذہب اسلام کے تہوار "عید" پر شعر لکھنے کی فرمائش کے جواب میں نظم میں کہتے ہیں:

چمن میں آ کے سراپا غم بیار ہوں میں
خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یاد فصل بہار
خوشی ہو عید کی کیونکر کے سوگوار ہوں میں
اجاڑ ہو گئے عہد کہن کے مے خانے
گزشتہ بارہ برسوں کی یادگار ہوں میں
پیام عیش و مسرت ہمیں سنایا ہے
ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے![12]

مسلمان کیا ہے اور اس کے لیے کون سی ایسی پابندیاں ہیں جن کا لحاظ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کرتا ہے اور ان پابندیوں سے باہر نہیں نکلتا تاکہ اللہ ناراض نہ ہو جائے۔ اسی لیے اقبال کہتا ہے کہ مسلمان بننے کا مطلب یہ ہے کہ کارزارِ شہادت میں گویا قدم رکھا جائے۔ ایک طرح سے پوری نظم میں اقبال نے ہندو اور مسلم دونوں کے لیے بیداری کی تلقین کی ہے۔ اقبال کے اسلام کے تصورِ مردِ مومن کا ادراک کافی گہرا ہے کیونکہ مندرجہ بالا شعر میں انھوں نے جس مردِ مومن کی صفات کو گنوایا ہے، انھی صفات کو قرآن و حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح مردِ مومن کے اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین کو بھی انھوں نے بیان کیا ہے، یہ شعر دیکھئے:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی [13]

مذہب اسلام پر مزید کہتے ہیں:

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغناء میں معراجِ مسلمانی [14]

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گُم ہے [15]
مومن کی یہ پہچان کہ گُم اس میں ہیں آفاق

اقبال کا نظریہ مردِ مومن یا انسانِ کامل کسی مافوق البشر کا نظریہ نہیں ہے بلکہ امامِ کائنات حضرت مولا علیؑ کا پرتو ہے۔ یہ حیدرؑ کا پرتو ہے جو اپنے آپ میں خود اپنی مثال تھے اور نہ ان سے پہلے ایسا کوئی مردِ مومن تاریخِ انسانی میں ملتا ہے نہ ان کے بعد کوئی ایسی مثال بہادری وجواں مردی کی نظر آتی ہے۔ وہ بیک وقت کُل، ایمان، کُلِ عقل اور کلِ شجاعت تھے اور اقبال کا انسانِ کامل بھی انھی صفات سے متصف ہے۔ علامہ اقبال کا مردِ مومن عقل کا غلام نہیں ہے۔ وہ تو رہ نوردِ شوق ہے جو کوئی منزل قبول نہیں کرتا اور کوئی ساحل کنارا نہیں ڈھونڈتا بلکہ ہمیشہ طوفانوں سے لڑتا ہے اور امتدادِ زمانہ سے نبُرد آزما ہوتا ہے۔

یہودیت اور اقبال

یہودیت توحیدی اور ابراہیمی ادیان میں سے ایک دین ہے جس کے تابعین اسلام میں قوم بنی موسیٰؑ یا بنی اسرائیل کہلاتے ہیں یہ دونوں اس اصر اور اس قوم کے لیے منتخب ہیں دین کی بنیاد بے شک حضرت موسیٰؑ نے رکھی مگر دین کا دارومدار تورات اور تلمود کے مطالعے پر ہے نہ کسی ایک شخصیت کی پیروی کرنے پر علامہ اقبال کی نظموں میں یہودیت کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کی
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں[16]

یہودیت مذہب کے نبی حضرت موسیٰؑ کو خدا کی طرف سے جو دو معجزے ادا کیے گئے تھے ان میں سے ایک معجزہ ان کی لاٹھی کی شکل میں تھا اور دوسرا معجزہ ید بیضا تھا اس حوالے سے اقبال مزید کہتے ہیں:

کبھی میں ذوق تکلم میں طور پر پہنچا
چھپایا نور ازل زیر آستین میں نے[17]

حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تھا اور نبوت عطا کی گئی تھی یہودی مذہب کے حوالے سے اقبال مزید کہتے ہیں:

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا[18]

ایک اور جگہ یہودیت پر اقبال اپنے خیالات کا اظہار کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ہزار چشمے ترے سنگ رہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کر ضرب کلیم پیدا کر[19]

ہر مذہب کا فلسفۂ اخلاق دوسرے مذہب سے ملتا جلتا ہے، لہٰذا یہ ایک فطری امر ہے کہ یہودیت کے فلسفۂ اخلاق میں جو اخلاقی اقدار پائی جاتی ہیں، وہ عین ممکن ہے کہ اسلام میں بھی پائی جائیں۔ اسی طرح یہودیت اور اسلام میں چند اخلاقی افعال و اعمال اور اقدار مشترک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مشترکہ اقدار کی نمائندگی اردو ادب میں بھی ہوئی ہے۔ ان میں زندگی کے اہم اعمال اور رویوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔

یہودیت کی طرح عیسائیت اور اسلام کے مابین بھی مشترک اخلاقی و ثقافتی اقدار ہیں جن کی وجہ سے ہی مسیحی اور اسلامی شعر و ادب نے ایک دوسرے سے اخذ و قبول کیا ہے۔ حقیقت کے آئینے میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل شعر و ادب کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور یہ خالصتاً انسانی جذبات و احساسات اور خیالات کی مہذب اور لطیف صورت میں عکاسی و نمائندگی کرتا ہے۔ شاعر معاشرے کا ایک فعال اور باعلم طبقے سے تعلق رکھنے والا فرد ہوتا ہے جو اپنی تاریخ، حال اور مستقبل کے عواقب و اثرات پر بخوبی نگاہ رکھتا ہے اور عصری تبدیلیوں سے آگاہ ہوتا ہے۔ وہ معاشرے کی پھڑکتی ہوئی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی باطنی و خارجی بیماریوں کی تشخیص کرتا ہے اور ایک اعتدال آمیز رویہ اختیار کرتے ہوئے ان پر خامہ فرسائی کرتا ہے۔ اس کا دکھ ذاتی اور انفرادی نہیں ہوتا بلکہ اجتماعی اور معاشرتی ہوتا ہے۔ وہ مذہب کی بنیاد پر انسانوں کو مختلف خانوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ ان کے کردار سے ان کو پہچانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب میں مذہب کا کردار بنیادی نہیں بلکہ ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی ادب مذہب سے انتہائی بیگانگی کو اختیار نہیں کر سکتا کیونکہ بالآخر شاعر بھی تو ایک انسان ہے اوراس کا بھی کوئی نہ کوئی مذہب ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کے مذہبی خیالات کے اثرات اس کی شاعری پر پڑتے ہیں۔اسی طرح چند اصناف ہر زبان کے شعر و ادب میں ایسی ہیں جن میں خالصتاً مذہبی شاعری کی جاتی ہے اور ان کا نام آتے ہی عقیدت پر مبنی مذہبی شاعری کی طرف دھیان جاتا ہے۔

اس طرح ہر شاعر کے کلام میں مبنی بر عقیدت شاعری بر آمد ہونا ایک فطری بات ہے اور اس میں کوئی امر عجیب نہیں ہے۔مثال کے طور اردو میں ایسے بہت سے شعرائے کرام ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰؑ کا نام بطورِ تلمیح اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے۔اقبال مذہب عیسائیت کے بارے میں کہتے ہیں:

مینار دل پہ اپنے خدا کا نزول دیکھ
یہ انتظار مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے
تقلید کی روش سے توبہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے
جینا وہ کیا جو ہو نفس غیر پر مدار
سیرت کی زندگی کاسودا بھی چھوڑ دے [20]

عیسائیت اور اقبال

یہ اقبال کے متروکہ اشعار ہیں جو کہ مذہب عیسائیت کی عکاسی کرتے ہیں ان میں علامہ اقبال نے حضرت عیسیٰؑ اور مہدی کے نزول کا تخیل سراسر غیر اسلامی سمجھتے ہیں۔ قرآن حکیم میں عیسائیت مذہب کے نبی حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ تشریف آوری پر کوئی تذکرہ نہیں ہے۔اقبالؔ ان اشعار میں کہتے ہیں کہ مسیح اور مہدی کا انتظار کرتے رہنے کی بجائے خود مسلمانان عالم ہیں وہ کام کیوں نہ کریں جو وہ حضرت عیسیٰؑ اور مہدی سے متعلق سمجھتے ہیں۔

اے حضرت عیسیٰ نہیں کچھ جائے سخن اب
وہ آ گئے رکھوایئے تہہ کر کے کفن اب
سینچا گیا پھولا ہے نئے سر سے چمن اب
اشکوں نے کیے سبز مرے داغ کہن اب
وہ شوق اسیری کھلے گیسو کے شکن اب
ترسیں گے قفس کے لیے مرغان چمن اب
خاموشی نے معدوم کیا اور دہن اب
تم ہی کہو باقی رہی کیا جائے سخن اب

یاران وطن کو ہے غریبوں سے کنارہ
غربت کا تقاضا ہے کرو ترک وطن اب
سن لیجیے کچھ قصۂ بیتابی دل کو
جو جی میں ہو کہہ لیجیے پھر مشفق من اب
سیماب بنایا بت ہجراں نے جگر کو
دل ٹھہرنے دیتی نہیں سینہ کی جلن اب
آخر کوئی حد بھی تری اے دوری غربت
مایوس ہوئے جاتے ہیں یاران وطن اب
کیا فکر ہے اے شعلہ پیو بادِ رنگیں
ڈالو بھی کہیں بھاڑ میں یہ رنج و محن اب [21]

اُردو نظم کے دیگر اصنافِ شعر میں "مسیحا"، "عیسیٰؑ"، "ابنِ مریم" اور "صلیب" جیسی تلمیحات دراصل عیسائی مذہب ہی کی دین ہیں جو اس مذہب کے دوررس اثرات کو ظاہر کرتی ہیں۔ صلیب کی علامت مظلومیت کی نمائندہ بن کر آتی ہے مسیحی صلیب کا ایک علامتی نشان ہوتا ہے مسیحی عقیدے کے مطابق یسوع مسیح کو اسی صلیب پر قتل کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ یہ نشان مسیحت کی علامت بن چکی ہے عام طور سے صلیب مذہب عیسائیت کے ساتھ وابستہ ہے لیکن صلیب کی علامت کو قدیم تہذیبوں میں استعمال کیا گیا اور کہیں یہ انقلاب کی علامت کے طور پر ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اس علامت کے ذریعے سے عشق کا تختۂ ستم بھی ایک نئی معنویت سے آشنا ہوا۔ ہر مذہب کے ماننے والوں میں شعراء نسل در نسل اپنے افکار و خیالات کو مذہبی رنگ میں پیش کرتے رہتے ہیں اور اس طرح ہر زبان و ادب میں مذہبی شاعری کا ارتقائی عمل جاری رہتا ہے۔ انسانی افکار نو بہ نو خیالات سے جس طرح سے مبذول زمانہ ہوتے جاتے ہیں، بعینہٖ شعر و ادب پر بھی اثر پڑتا رہتا ہے۔ یہ انسانی فکر کا حسن ہے کہ اس میں مکمل پن کبھی نہیں آتا کیونکہ جہاں انسان درجہ کمال کو پہنچتا ہے، وہاں سے آگے پھر اس کی فکر کا ارتقائی سفر ختم ہو جاتا ہے اور فکرِ انسانی جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔ جمود انسان کی روحانی اور وجودی موت کا دوسرا نام ہے۔ شعر و ادب انسان کی فکر کو متحرک جمالیات عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کی روحانی اور فکری ترقی کا راز اس کے متحرک نظریات کے مرہونِ منت رہا ہے۔ اس طرح ہر مذہب کے دائرے میں ایسا شعر و ادب تخلیق ہوتا ہے جو کسی خاص مذہب کے اثرات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتا ہے۔ اردو زبان چونکہ برصغیر میں پیدا ہوئی اور برصغیر میں مسلمانوں اور ہندوؤں اور دیگر طبقات نے اس کی ترویج و ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، لہٰذا زبانِ اردو پر جس طرح اسلام کے اثرات مرتب ہوئے ہیں، اسی طرح ہندو مت کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ اردو نظم کے حوالے سے ایک روایت اس سلسلے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اردو نظم اور ہندو مت کے

مابین اشتراکاتِ فکر کا جائزہ لینے کے لیے شعر و ادب کا جائزہ لینا ہو گا۔ اردو کے مسلمان اور ہندو شعراء کے کالم میں مشترکہ ہندوستانی تہذیب کے آہین جو ان کی شاعری کا اہم خاصہ رہے ہیں۔

بدھ مت اور اقبال

تاریخ گواہ ہے اردو زبان میں شاعروں اور مصنفین نے ایک دوسرے کے مذہب کے متعلق نظم و نثر میں جس انداز میں اپنے نقوش ثبت کئے ہیں اس کی مثال شاز و نادر ہے اردو نظم نگاری میں نعتیں، منقبتیں، مرثیہ، مثنوی، قصیدہ ملتا ہے جہاں اُردو نظم میں عیسائیت، یہودیت، ہندومت اور اسلام کے اثرات ملتے ہیں تو وہاں سکھ مت مذہب پر اقبال کی مشہور نظم "ذکرِ نانک" کے عنوان سے ملتی ہے جس میں ہندوستان میں بسنے اور رہنے والوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کا ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور لوگوں کو صرف خدا کی عبادت کرنے کی دعوت کا ذکر کیا گیا ہے۔ شاعرِ مشرق گرونانک دیو جی کے اس عملی اقدام کا ذکر اس انداز میں کرتے ہیں:

قوم نے پیغام گوتم کی ذرا پروانہ کی
قدر پہچانی اپنے گوہر یک وانہ کیُ
آہ بد قسمت رہے آواز حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکار اس نے کیا جو زندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شمع حق سے جو منور ہوں یہ وہ محفل نہ تھی
رحمت ہوی لیکن زمین قابل نہ تھی
آہ شودر کے لئے ہندوستان غم خانہ ہے
درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک اس پندار میں
شمع گوتم جل رہی محفل اغیار میں
بتکدا پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اُٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو ایک مرد کامل نے جگایا خواب سے [22]

بدھ مت ایک مذہب اور فلسفہ ہے جو مختلف روایات، عقائد اور طرزِ عمل کو محیط کیا ہوا ہے اس کی زیادہ تر تعلیمات کی بنیاد سدھارتھ گوتم کی طرف منسوب ہے عام طور پر بدھ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک مذہب

"بدھ مت" ہے بدھ مت لوگ "ایک جاگت" یا "روشن خیال ٹیچر" کے نام سے مانتے ہیں بدھ مت کے پیروکار ہندوؤں کے دیوتاؤں کو بھی مانتے ہیں بدھ مت کے تصور معبود پر ہندو مذاہب کو چھاپ پائی جاتی ہے۔اس مذہب میں خواہشات کو سب مصیبتوں کی جڑ مانتے ہیں علامہ اقبال نے سکھ مت اور بدھ مت مذاہب کو اپنی نظم کا موضوع بنایا ہے۔

سکھ مت اور اقبال

علامہ اقبال کی اس نظم میں گرونانک کو مردِ کامل کہہ کر مخاطب کیا گیا گرونانک دیوجی نے اس عہد کی ضرورتوں کے مطابق عقیدہ توحید کو پیش کیا جو اسلامی عقائد کی اصل ہے اسلام میں عقیدہ توحید کو انتہائی اہمیت حاصل ہے عقیدہ توحید ہونی ساری مخلوق کو پیدا کرنے والا پروردگار ہے اسلام میں انسانوں کے درمیان اخوت، بھائی چارہ، رواداری اور سماجی زندگی کو بڑی اہمیت دی ہے گرونانک جی نے بھی انسانی زندگی کی اہمیت پر زور دیا محبت، امن، بھائی چارے اور انسانی دوستی کا درس دیا۔ اوہم پرستی، اندھی تقلید، بے رو مذہب پرستی اونچ نیچ اور ذات پات کے خلاف آواز اٹھائی۔ سچ تو یہ ہے کہ تمام مذاہب کے رہنماؤں نے انسانوں کی بھلائی کے لئے کام کیا ان کے اقوال و اعمال انسانوں کو نیک سچے اور سیدھے راستے کی راہنمائی کرتے ہیں۔ گرونانک دیوجی نے بھی اپنے اقوال و اعمال اور افعال کے ذریعے انسانوں کو سیدھے سچے راستے پر چلنے کی تلقین کی۔ اقبالؔ کہتے ہیں:

تیرے قدموں پر شہنشاہوں کی پیشانی جھکی
زندگی تیری یقیناً لائق تحسین ہے[23]

باباگرونانک سکھ مذہب کے بانی تھے۔

انسانوں اور شہنشاہوں نے گرونانک دیوجی کے حضور سر نیاز خم اس لیے کیا کہ انھوں نے انسانوں کو جہالت و تاریکی سے نکال کر خواب غفلت سے بیدار کیا اور یہ باور کرایا کہ خدا ہی عبادت کے لائق ہے اور سبھی کا پروردگار ذات واحد ہی ہے۔

ذات پات، اُونچ نیچ اور عدم برداشت میں غرق انسان اپنے ذاتی اور سیاسی مقاصد کے لیے دوسرے انسانوں کے درمیان نفرت کے بیج کو مزید پروان چڑھانے پر تلا ہوا تھا۔ اس وقت انسان محض اپنے گھر کا چولہا جلانے کے لیے انسانوں کو خدا کی حقیقت تک رسائی سے دُور رکھ کے من گھڑت قصوں تک محدود رکھنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ دوسری طرف معاشرے میں عورت کا جینا محال تھا۔ برہمن کے نت نئے طور طریقوں سے عورت کو ستی جیسے بے رحم رسم کی بھینٹ چڑھایا جارہا تھا، جہاں ویش اور شودر کو عبادت کی اجازت تھی اور نہ ان کے ساتھ بیٹھنے، کھانا کھانے حتیٰ کہ ان کو چھونے تک کی بھی اجازت نہ تھی۔ ایک خدا کو بھول کر دیوی دیوتاؤں کی پوجا عام تھی۔ مذہب کی بنیاد پر اہل ہند ایک دوسرے پر پیر، فقیروں اور اوتاروں کی دھرتی کو تنگ کرنے پر تلے تھے۔ سب ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ ظلم و ستم کا بازار گرم تھا۔ غریب کی آہ و پکار سننے کو کوئی تیار نہ تھا ایسے میں بقول علامہ محمد اقبال کے:

بُت کدہ پھر مُدّت کے مگر روشن ہوا
نور ابرہیم سے آذر کا گھر روشن ہوا
پھر اُٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے

ہند کو اِک مردِ کامل نے جگایا خواب سے [24]

بابا گرونانک پنجاب میں تلونڈی نامی گاؤں جسے اب ننکانہ صاحب کہا جاتا ہے۔۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ گرونانک کی پیدائش پر خاندان کے پروہت ہر دیال نے ان کی پیشانی سے جب نور پھوٹتا ہوا دیکھا تو اس نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا اور نانک کی جنم پتری دیکھ کر کہا کہ ہندو اور مسلمان دونوں ہی اس کی تعریف کے گیت گائیں گے۔ علامہ اقبال گرونانک کو "مردِ کامل" کہتے ہیں۔

خلاصۂ بحث

اقبال کے ہاں اردو نظم پر یہودیت، عیسائیت، اسلام، بدھ مت اور سکھ مت کے اثرات بہت قوی ہیں چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو نظم پر اقبال کے مذاہب عالم کے اثرات موجود ہیں اور علامہ اقبال اردو کی نظم پر مذاہب عالم کے اثرات کے بھرپور عکاس ہیں۔

References

[1] Allama Muhammad Iqbal, *Kulliāt-e-Iqbāl Urdu* (Lahore: Iqbal, Academy, 2014), 372.
[2] Iqbal, *Kulliāt-e-Iqbāl Urdu,*14.
[3] Iqbal, *Kulliāt-e-Iqbāl Urdu,* 28.
[4]Iqbal, *Kulliāt-e-Iqbāl Urdu,*13.
[5] Iqbal, *Kulliāt-e-Iqbāl Urdu,* 36.
[6] S. M. Minhaj, *Afkār-o-Taswwurāt-e-Iqbāl* (Multan: Kaarwān-e-Adab, 1985), 168-169.
[7] Minhaj, *Afkār-o-Taswwurāt-e-Iqbāl,* 48.
[8] Muhammad Muzaffar Aalam Javed Saddique, *Urdu main Milād-ul-Nabbī* (Lahore: Fiction House, 1998), 259.
[9] [9] Iqbal, *Kulliāt-e-Iqbāl Urdu,* 181.
[10] Shorash Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl* (Lahore: Nazaria-e-Pakistan Trust, 2009), 220.
[11]Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,107
[12] Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,115
[13] Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,123
[14]Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,157
[15] Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*, 165
[16] Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,180
[17] Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,195
[18] Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,201
[19] Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,232
[20]Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,241
[21] Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,255
[22] Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,260
[23] Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,257
[24] Kashmeeri, *Fizān-e-Iqbāl*,236